مضمون « قربانی کے تین دن اور صحابہ کرام » کا تنقیدی جائزہ

زبیر یحیی عالیاوی (فاضل: جامعہ عالیہ مئو، متعلم: جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی)

تین دن قربانی کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار پر ایک تفصیلی مضمون استاذ محترم شیخ کفایت اللہ سنابلی حفظہ اللہ کی طرف سے آچکا ہے اس میں تمام اشکالات کا ازالہ موجود ہے۔

« قربانی کے تین دن اور صحابہ کرام » کے عنوان سے کسی « حافظ محمد بلال » نے مضمون لکھا ہے اس پر راقم کی طرف سے کچھ معروضات پیش خدمت ہیں۔

الزامی حوالوں پر واویلا و مغالطہ:

تین دن قربانی کے قائلین بار بار یہ مغالطہ دے رہے ہے کہ کتاب « چارد قربانی کی مشروعیت » میں بعض ایسے آثار کو بھی حجت ودلیل بنالیا گیا جو صرف بعض صحابہ کی طرف منسوب ہیں۔ حالانکہ اس کتاب میں ان آثار کو بطور حجت ودلیل نہیں بلکہ بطور الزام پیش کیا گیا ہے اور ان آثار کو پیش کرنے سے قبل اس کی وضاحت کرتے ہوئے یہ الفاظ موجود ہیں:

« عام طور سے فقہاء اس نوعیت کے اقوال سے حجت پکڑتے ہیں اس لئے ہم ایسے اقوال کی فہرت پیش کرتے ہیں »

(چاردن قربانی کی مشروعیت ص34)

حافظ زبیر علی زئی اپنے پیروکاروں کے اعتراض کی زد میں:

اس وضاحت کے بعد بھی اگر یہ لوگ مغالطہ دینے سے باز نہیں آتے تو یہ لوگ پہلے اس مسئلہ میں اپنے پیر و مرشد حافظ زبیر علی زئی صاحب کی خبر لیں کیونکہ انہوں نے بھی اپنی کتابوں میں ایسے اقوال پیش کر رکھے ہیں۔

مثلا مقالات میں ایک جگہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب دس اقوال پیش کئے اور یہ دسوں اقوال الگ الگ مسئلہ میں ہیں (مقالات: جلد 2 صفحہ: 609)

جن میں بعض تو ثابت ہے لیکن سب کے سب قطعا ثابت نہیں ہیں۔

اگر کوئی دعوی کرے یہ دسوں اقوال سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے ثابت ہیں تو وہ ذرا ان اقوال کی صحیح سندیں حاضر کر دے۔

بالخصوص تکبیرات عیدین کے تعلق سے علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں حافظ زبیر علی زئی صاحب نے لکھا:

«5: جناب [سیدنا] علی رضی اللہ عنہ بارہ تکبیرات عیدین کے قائل تھے۔ دیکھئے فقہ علی ص 501 » (مقالات: جلد 2صفحہ: 616)

اب ذرا علی رضی اللہ عنہ سے اس کی صحیح سند پیش کریں اور نہ کرسکیں تو شور مچانا شروع کردیں کہ حافظ زبیر علی زئی صاحب نے بے سند اقوال کو حجت بنالیا۔

«تاریخ ابن یونس » موجود ہے یا مفقود، مجذوبانہ انکشاف:

کسی نے صحیح بخاری کی ایک روایت کو صحیح بخاری کے بجائے ابن سعد کے طبقات سے نقل کیا تو استاذ محترم نے گرفت کی کہ یہ روایت صحیح بخاری میں موجود تھی تو اس سے نیچے اتر کر طبقات ابن سعد سے اسے کیوں نقل کیا گیا۔

اس بات کا حوالہ دے کر مضمون نگار نے یہ دعوی کیا کہ امام طحاوی کے استاذ کی توثیق ابن یونس المصری کی اپنی کتاب « تاریخ ابن یونس » میں موجود ہے، تو اصل مصنف کی کتاب کا حوالہ دینے کے بجائے سنابلی صاحب نے اسے تاریخ بغداد سے کیوں نقل کیا اور پھر اس کی سند پر بحث کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

اب اسے ایک مجذوبانہ انکشاف کے سوا کیا کہا جاسکتا ہے، کیونکہ علم رجال کا ایک معمولی طاب علم بھی جانتا ہے کہ امام ابن یونس المصری کی کتاب « تاریخ ابن یونس » اس وقت دنیا میں مفقود ہے۔

لیکن عجوبہ یہ ہے کہ خود کو «دارالتخصص والتحقیق» کی طرف منسوب کرنے والے مضمون نگار بانگ دہل ایسی بات لکھ رہے ہیں جسے کوئی ایسا ادنی طالب علم بھی نہیں لکھ سکتا جس نے چند روز بھی کسی عالم کے پاس گذارے ہوں۔

نہ جانے مضمون نگار نے کس سیارہ کا چکر لگایا کہ امام ابن یونس کی مفقود کتاب « تاریخ ابن یونس » ان کے ہاتھ لگ گئی اور پھر بڑے اہتمام سے جلد اور صفحہ نمبر کا حوالہ بھی لکھ مارا۔

قارئین اصل حقیقت کا علم آپ کو ہو گا تو یقین مانئے آپ اپنی ہنسی روک نہیں پائیں گے۔

دراصل بات یہ ہے کہ امام ابن یونس المصری کی کتاب مفقود تھی لیکن ان کے اقوال متاخرین کی کتب رجال میں منقول ہیں ، پھر دکتور عبدالفتاح نے متاخرین کی کتب میں منقول ان کے اقوال کو یکجا کرکے ایک کتابی شکل دی ہے اور « تاریخ ابن یونس » کے نام سے شائع کیا ہے۔

مطلب واضح ہے کہ یہ امام ابن یونس المصری کی اصل کتاب نہیں ہے بلکہ اس میں متاخرین کی کتب میں ان کے منقول اقوال کو جمع کردیا گیا ہے۔

اس وضاحت کے بعد قارئین پلٹ کر« دار التخصص والتحقيق» والوں کا انکشاف پڑھیں اور بتائیں کہ ایک مجذوبانہ واویلا نہیں تو اور کیا ہے؟

آسمان سے گرے کھجور میں اٹکے:

علی رضی اللہ عنہ کے اثر کی جو سند امام طحاوی کی کتاب میں مذکور ہے اس میں بعض نام غلط لکھئے ہوئے ہیں، ایک نام « **حماد بن سلمة بن كهيل** » ہے۔

اس نام کو صحیح کرتے ہوئے مضمون نگار نے« **حماد بن (الصواب : عن) سلمة بن كهيل** » لکھا۔

راقم عرض کرتا ہے کہ اس تصحیح کے بعد مضمون نگار نے سند کو تو درست کر دیا لیکن یہ بھول گئے کہ اب اس سند میں حماد بن سلمہ بھی آگئے اور تین دن قربانی والے جس شخصیت حافظ زبیر علی زئی صاحب کی تقلید میں یہ موقف اپنائے ہوئے ہیں انہیں حافظ زبیر علی زئی صاحب کی تحقیق ہے کہ حماد بن سلمہ مختلط تھے اور ان کی صرف وہی روایت صحیح ہو گی جسے ان کے قدیم شاگردوں نے اختلاط سے قبل سنا ہو گا۔ دیکھئے (الحدیث شمارہ135،136 ص93،94)

اب مشکل یہ ہے کہ اس سند میں حماد بن سلمہ سے روایت کرنے والے« **عبيد الله بن محمد التيمي** » ہیں، اور ان کے بارے میں اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ انہوں نے حماد سے ان کے اختلاط سے قبل سنا ہے۔

اس لئے مضمون نگار کی تصحیح کے بعد بھی یہ روایت خود ان کے مقتدی حافظ زبیر علی زئی صاحب کے اصول سے ضعیف ثابت ہو گئی۔

اس کے ساتھ اس سند میں حجتہ لکھا تھا جسے مضمون نگار نے«حجيـــــــــة» بنایا لیکن یہ راوی بھی ضعیف ہی ہے۔ دیکھئے : (تحریر التقریب: ت 1150)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا دوسرا قول:

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے تین دن قربانی کا قول بسند صحیح ثابت ہے۔

استاذ محترم جس طرح اس سند کو صحیح مانتے ہیں اسی طرح اس سند کو بھی صحیح مانتے ہیں جس میں اللہ کے نبی صلی اللہ علی وسلم سے چار دن قربانی کا ثبوت ملتا ہے۔ اس کے مطابق ان کی نظر میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا فتوی نص کے خلاف ہے۔

اب کسی کی تحقیق میں کسی صحابی کا کوئی قول، صریح نص کے خلاف ہو اور اسی صحابی سے دوسرا قول بھی مروی ہو جو نص کے موافق ہو لیکن اس کی سند مفقود ہو تو اس حسن ظن میں کوئی قباحت نہیں ہے کہ ہو سکتا کہ جو سند مفقود ہے وہ صحیح رہی ہو اور صحابی نے یہ قول بعد میں نص ملنے کے بعد اختیار کیا ہو۔

اور یہ جو کچھ ہے محض امکان کی حد تک گفتگو ہے استاذ محترم نے ہر گز یہ دعوی نہیں کیا ہے کہ دوسرے قول کی بھی صحیح سند موجود ہے۔

اس لئے یہ شور مچانا کہ ایک غیر ثابت قول کو لیکر ثابت قول کو رد کیا گیا ہے یہ سوائے مغالطہ بازی کے کچھ نہیں۔

اور حقیقت صرف اتنی ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول کو نص کے خلاف ہونے کے سبب رد کیا گیا ہے اور ساتھ ہی ایک دوسرے قول کو دیکھتے ہوئے ابن عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ حسن ظن رکھا گیا ہے کہ ممکن ہے انہوں نے اس سے رجوع کر لیا ہو۔

اب ہو سکتا ہے مخالف یہ کہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول کسی نص کے خلاف نہیں، تو یہ مخالف کی تحقیق ہے۔ اور ہر شخص اپنی تحقیق ہی کے مطابق رائے قائم کرتا ہے۔

اگر استاذ محترم کی نظر میں ابن عمر رضی اللہ عنہ کا ثابت قول، نص کے خلاف نہ ہوتا تو ان کے سامنے بھی اس امکانی گفتگو کی کوئی وجہ نہ ہوتی۔

اور بعض اہل علم کا معاملہ تو یہ ہے کہ وہ نص کے خلاف کسی صحابی سے ثابت ایک ہی قول کے بارے میں یہ حسن ظن قائم کر لیتے ہیں کہ ممکن ہے صحابی نے نص کے خلاف اس قول سے رجوع کر لیا ہو۔

مثلا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے صحیحین میں ایک روایت سے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ متعہ کے جواز کے قائل تھے۔

ابن القیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وظاهر كلام ابن مسعود إباحتها، فإن في "الصحيحين" عنه---

اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے کلام سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ متعہ کے جواز کے قائل ہیں، جیسا کہ "صحیحین" میں ان سے مروی ہے۔۔۔(زاد المعاد 5 / 102)

مشکاۃ کے قدیم شارح امام **شرف الدين الطيبي** (م: 743ھ) کی نظر میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں کوئی دوسرا قول نہیں ہے پھر بھی وہ لکھتے ہیں:

ولعل ابن مسعود رجع عن ذلك

ہو سکتا ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس سے رجوع کر لیا ہو (شرح المشكاة للطيبي 7 / 2293)

اب غور کرنے کی بات ہے کہ جب اہل علم کے یہاں صریح نص کے خلاف صحابی کے ایک ہی قول کے بارے میں یہ کہنے کی گنجائش ہے کہ ممکن ہے انہوں نے رجوع کرلیا تو جب صریح نص کے خلاف کسی صحابی کے ایک ثابت قول کے مقابلے ایک مفقود السند قول بھی موجود ہو جو نص کے موافق ہو تو ایسی صورت میں بدرجہ اولی اس حسن ظن کی گنجائش ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے تین دن کا قول، منھال بن عمرو کا تفرد:

استاذ محترم نے اس سند پر منھال بن عمرو کے تفرد کو لیکر جو بحث کی ہے اسے بے چارے مخالفین سمجھ ہی نہیں پارہے ہیں اس لئے بار بار اسی بات کی گردان کرتے ہیں کہ منھال ثقہ یا صدوق ہے۔ اور پھر توثیق کے اقوال نقل کرنے بیٹھ جاتے ہیں۔ حالانکہ اس کی ضرورت تب پیش آتی جب منھال کو ضعیف قرار دیا گیا ہوتا، جب کہ ایسا معاملہ ہے ہی نہیں تفصیل کے لئے دیکھئے: (ایام قربانی اور آثار صحابہ رضی اللہ عنہم، مع اشکالات کا ازالہ: ص24 تا29)

ان حضرات کی ناسمجھی کا ایک اور نمونہ دیکھیں مضمون نگار لکھتے ہیں:

« کیا واقعی اس بیان میں منہال بن عمرو کا تفرد ہے؟ جب دیگر صحابہ کرام سے بھی تین دن قربانی کا موقف ثابت ہے اور کسی ایک صحابی سے بھی چار کی کوئی ایک بھی روایت ثابت نہیں، تو منہال بن عمرو سے غلطی کا احتمال ختم ہوگا یا قوی ہوگا؟ لہٰذا منہال کے تفرد کا بہانہ بنا کر اس اثر کو بلا دلیل "ضعیف" قرار دینا کسی طور پر تحقیقی مزاج سے ہم آہنگی نہیں »

دیکھئے ان بے چاروں نے یہاں تفرد کا کیا مطلب سمجھ لیا!

اگر تفرد کا مطلب یہاں بھی یہی ہوتا تو کیا ابن عمر رضی اللہ عنہ کے اثر پر بھی یہ اعتراض وارد نہ ہوتا جسے استاذ محترم نے صحیح قرار دیا ہے؟

دراصل یہاں تفرد کا مطلب ابن عباس سے تین دن کی بات نقل کرنے میں تفرد ہے۔ دیگر صحابہ کی بات یہاں موضوع بحث ہی نہیں ہے۔

اس لئے یہاں رفع تفرد کے لئے ضروری ہے ابن عباس سے تین دن کی بات نقل کرنے میں منہال کا صحیح متابع پیش کیا جائے۔ نہ کہ ابن عباس کے علاوہ کسی دوسرے صحابی سے۔

نیز یہ روایت شعبہ کے طریق سے ہے اور امام شعبہ نے منہال کے طریق سے بیان کردہ اپنی روایات سے رجوع کرلیا ہے اس لئے راوی کے مرجوع عنہ روایت سے حجت پکڑنا درست نہیں۔

فتح الباری اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا سکوت:

مضمون نگار لکھتے ہیں:

جناب سنابلی صاحب نے اس پر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے سکوت کو بھی دلیل بنانے کی سعی کی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

"حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں ابن ابی شیبہ کی کتاب سے مذکورہ بالا روایت نقل کی ہے اور اس کی تضعیف نہیں کی ہے، جس سے اس بات کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی نظر میں یہ سند صحیح ہے۔۔۔"(چار دن قربانی کی مشروعیت، ص: 35)

جو لوگ سکوت ابن حجر رحمہ اللہ کو دلیل بناتے ہیں، ان کا موقف انتہائی کمزور ہے۔ ایک مقلد نے جب اس طرح کا موقف اپنا کر اپنا ناکام دفاع کرنے کی کوشش کی، تو اس کا دندان شکن تفصیلی جواب محقق العصر علامہ ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ نے دیا۔ دیکھیں(اعلاء السنن فی المیزان، ص: 74)

علامہ اثری حفظہ اللہ کی تحقیق ہم نے دیکھ لی ہے وہاں ان کے پورے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ہر جگہ اپنے اس اصول پر قائم نہیں رہ سکے ہیں۔

یہ بات بالکل صحیح ہے اس لئے جہاں بھی دلائل سے ثابت ہو جائے کہ کوئی روایت ضعیف یا کوئی راوی ضعیف ہی ہے وہاں ابن حجر رحمہ اللہ کے سکوت سے استدلال درست نہیں ہو گا۔

لیکن شیخ اثری حفظہ اللہ نے یہ تو نہیں کہا ہے کہ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہیں بھی اس اصول کی پاسداری نہیں کی ہے بلکہ بلاوجہ فتح الباری کے مقدمہ میں اسے ذکر کر دیا ہے۔

اس لئے فتح الباری میں مسکوت علیہ ایسی سند جس کے ضعیف ہونے کی دلیل ہمارے پاس نہ ہو اس سند کے بارے میں بھی ابن حجر رحمہ اللہ کو بغیر کسی دلیل کے خطاکار قرار دینا درست نہیں ہے۔

نیز امام ابن حبان، امام ابن خزیمہ اور امام حاکم نے بھی اپنی صحیح والی کتابوں میں ہر جگہ صحت کی پاسداری نہیں کی ہے بلکہ کئی جگہ سخت ضعیف بلکہ کذابین کی روایات بھی ان کی کتب میں موجود ہیں تو کیا یہ کہہ دیا جائے ان اصحاب صحاح کی تصحیح کی کوئی حیثیت ہی نہیں اور کہیں بھی ان کا حوالہ نہیں دیا جا سکتا؟؟

پھر اعلان فرمایئے کہ حافظ زبیر علی زئی صاحب نے رواۃ کی ضمنی توثیق میں جہاں جہاں ان اصحاب صحیح کے حوالے دئے ہیں وہ سب مردود ہیں۔

الزامی جواب سے کشیدہ کردہ غلط اصول:

استاذ محترم نے کچھ غیر ثابت آثار ان لوگوں کے لئے بطور الزام پیش کئے تھے جو اس طرح کے آثار کو حجت سمجھتے ہیں، اور اس بات کی صراحت بھی کر چکے تھے، لیکن مخالفین کو پتہ نہیں کیا سوجھی کہ انہوں نے غیر ثابت اقوال کو قبول کرنے والی بات خود استاذ محترم ہی کا اصول بنادیا۔

یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے حافظ زبیر علی زئی صاحب نے الزامی طور پر کچھ غیر ثابت آثار پیش کئے جیسا کہ حوالے گذر چکے ہیں۔

اب کوئی شخص اسے حافظ زبیر علی زئی صاحب کا اصول بناڈالے پھر غیر ثابت آثار کی قطار لگا کر یہ کہنے بیٹھ جائے کہ زبیر علی زئی صاحب کے اصولوں سے یہ سب ثابت ہیں۔

مضمون نے نگار سیدنا عمر، سیدنا انس اور سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہم کے اقوال یہی کہہ کر پیش کئے ہیں۔ جو یا تو نا سمجھی ہے یا مغالطہ بازی۔ نیز اس کی زد خود ان کے مقتدی حافظ زبیر علی زئی صاحب پر پڑتی ہیں جن کے یہ مقلد ہیں۔

دین کے محفوظ ہونے اور امتیوں کے اقوال کے محفوظ ہونے میں فرق:

علامہ البانی رحمہ اللہ نے یہ صراحت کی ہے کہ دین کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ نے لی ہے اس لئے دین کی کوئی بات مفقود نہیں ہوسکتی۔ لیکن امتیوں کے اقوال واعمال کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ نے نہیں لی ہے اس لئے کسی امتی کا کوئی قول و عمل بعد کے لئے لوگوں کی نظر میں مفقود ہوسکتا ہے۔ (آداب الزفاف في السنة المطهرة ص: 267)

استاذ محترم نے علامہ البانی رحمہ اللہ کے حوالے سے یہ بات نقل کی جس کے تعلق سے مضمون نگار نے « سنابلی صاحب کا اپنا قاعدہ » کہہ کر یہ تاثر دیا کہ یہ صرف استاذ محترم کی بات ہے۔ دوسرا مغالطہ یہ دیا ہے کہ یہ اصول پیش کرکے غیر ثابت آثار کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی گئی جبکہ یہ بالکل غلط بات ہے۔

یہ بات محض ایک امکان کی حد تک کہی گئی ہے وہ بھی مرفوع احادیث سے متعلق نہیں کیونکہ مرفوع احادیث دین ہیں اور دین کا ثبوت مفقود ہو ہی نہیں سکتا البتہ امتی کے اقوال کا ثبوت مفقود ہوسکتا ہے ایسا ممکن ہے۔ یعنی یہ امتیوں کے اقوال کے بارے میں کہا گیا ہے وہ بھی محض امکان کی حد تک نہ کہ اس بنیاد پر ثبوت کا دعوی کر دیا گیا ہے۔

بلکہ یہ بات ذکر کرنے کے چند سطروں بعد اسی صفحہ پر اس طرح کے اقوال پیش کرنے سے پہلے استاد محترم نے صراحت کردی ہے کہ فقہاء ایسے اقوال سے حجت پکڑتے ہیں اس لئے ایسے اقوال کی فہرست پیش کی جارہی ہے (چار دن قربانی کی مشروعت ص 33)

کتاب و سنت کے موافق غیر ثابت آثار اور کتاب و سنت کے مخالف غیر ثابت آثار:

اس وضاحت کے بعد کہ استاذ محترم نے یہ آثار بطور الزام پیش کئے گئے ہیں یہ فرق بھی ملحوظ رہے کہ اس ضمن میں وہی آثار پیش کئے گئے ہیں جو موافق کتاب و سنت ہیں۔ اسی تناظر میں امکان ثبوت کی بات شروع میں کہی گئی ہے کیونکہ نصوص کتاب و سنت کے موافق بعض صحابہ وغیرہ کے آثار منقول ہوں تو تو کوئی بعید نہیں کہ واقعۃ ان صحابہ نے ایسا ہی موقف اختیار کیا ہو جس کا ثبوت مفقود ہو گیا۔

بلکہ گذشتہ سطور میں بتایا جاچکا ہے کہ کسی صحابی سے نص کے خلاف قول ثابت ہے اور دوسرا قول ثابت ہونا تو دور، ان کی طرف منسوب تک نہیں ہے پھر بھی یہ بات کہی گئی ہے کہ ممکن ہے فلاں صحابی نے نص کے خلاف والی بات سے رجوع کرکے نص کے موافق بات اپنالی ہو جیسے متعہ کے بارے میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول کے تعلق سے علامہ طیبی رحمہ اللہ کی بات گذر چکی ہے۔ یہی بات استاذ محترم نے ابن عمر رضی اللہ عنہ کے قول کے تعلق سے کہی ہے وہ بھی اس صورت میں جب کہ ان کا دوسرا قول بھی موجود ہے۔

لہٰذا صحابہ کی طرف منسوب ایسے اقوال جن کا ثبوت یعنی صحیح سند مفقود ہو لیکن وہ اقوال کتاب و سنت کے موافق ہوں انہیں الزاما پیش کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

خود حافظ زبیر علی زئی صاحب کا طرز عمل دیکھ لیں انہوں نے بہت سے مقامات پر صحابہ وغیرہ کے غیر ثابت آثار الزاما پیش کئے ہیں اور ایک موقع پر انہوں نے بعض صحابہ کے غیر ثابت آثار پیش کرنے کے بعد لکھا:

میں نے خلفائے راشدین کے صرف وہی اقوال لکھے ہیں، جو (عام طور پر) کتاب و سنت کے موافق ہیں یا ان سے ثابت و مشہور ہیں (مقالات: جلد2 صفحہ: 617، بریکٹ کے الفاظ علی زئی صاحب ہی کے ہیں)

الفاظ پر دھیان دیں فرماتے ہیں کتاب و سنت کے موافق ہیں یا ان سے ثابت و مشہور ہیں، یعنی بعض موافق کتاب و سنت اقوال ثابت نہیں ہیں پھر بھی کتاب و سنت کے موافق ہونے کے سبب انہیں پیش کیا گیا، مثلا اسی ضمن میں گذشتہ صفحہ پر حافظ زبیر علی زئی صاحب نے علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب بارہ تکبیرات عیدن کا قول بھی پیش کیا ہے جو علی رضی اللہ عنہ سے قطعا ثابت نہیں ہے، جس کا مطلب یہ کہ حافظ صاحب نے یہ قول اس لئے الزاما پیش کیا کیونکہ یہ حدیث کے موافق تھا۔

ممکن ہے کوئی کہے کہ چاردن قربانی والا قول جس نص کے موافق ہے وہ نص ثابت نہیں تو اس کا جواب یہ کہ ثابت نہ ہونے کا دعوی مخالف کا ہے لیکن جو چاردن والا قول پیش کررہا ہے اس کی نظر میں تو یہ ثابت ہے اور وہ اپنی تحقیق کی بنیاد پر ہی کوئی بات پیش کرے گا۔

نیز حافظ زبیر علی زئی صاحب پر بھی یہ اعتراض وارد ہو گا کہ انہوں نے علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب بارہ تکبیرات عیدین کا قول نقل کیا جو نص حدیث کے موافق ہے لیکن مخالف (احناف) کی نظر میں یہ نص ثابت ہی نہیں۔

حافظ زبیر علی زئی صاحب کے حوالے کے ساتھ اس بات کی وضاحت کے بعد اب اس مثال کو دیکھیں جسے مضمون نگار نے پیش کیا ہے لکھتے ہیں:

«ہم یہاں صرف ایک مثال کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے صحیح بخاری وغیرہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد رفع الیدین سے نماز پڑھنا ثابت ہے، لیکن احناف کے پاس سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی عدم رفع والی روایت بھی موجود ہے، جس کی سند بظاہر صحیح معلوم ہوتی ہے۔

اگر صحیح ثابت اثر کے خلاف بے سند اثر کو رجوع بنا کر پیش کیا جانا تحقیق ہے، تو مقلدین کے پیش کردہ اس با سند اثر کو بالاولیٰ رجوع مان لینا چاہیے۔»

اس مثال میں مضمون نگار نے اگر ابن عمر رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت سے مرفوع حدیث مراد لیا تو یہ موضوع ہی سرے سے الگ ہے کیونکہ مرفوع روایات کا تعلق اصل دین سے جس کی حفاظت کی اللہ نے ضمانت لی ہے اس لئے اس تعلق سے کوئی غیر ثابت بات دین کا حصہ ہو ہی نہیں سکتی۔

اور اگر مضمون نگار نے ابن عمر رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت سے ان کا دوسرا عمل مراد لیا ہے تو کہاں مذکورہ بات کہ نص کے موافق صحابی کی طرف منسوب بات کو پیش کرنا اور کہاں یہ صورت کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ ہی کی روایت کردہ نص کے خلاف وہ بھی بالاجماع ثابت شدہ نص کے خلاف ابن عمر رضی اللہ عنہ کے دوسرے قول کو پیش کرنا، بھلا ان دونوں میں کیا نسبت ہے؟

برائے اثبات یا بطور الزام:

یہ وضاحت بار بار گذر چکی ہے کہ الزامی طور پر غیر ثابت اقوال کو پیش کرنا یا ان کے صحت کے امکان کی بات کرنا، ان سب باتوں کا تعلق امتی کے اقوال سے ہے نہ کہ مرفوع احادیث سے، لیکن مضمون نگار نے بار بار خلط مبحث سے کام لیتے ہوئے کہیں کی بات کہیں لے جا کر ملادی ہے، اس کے ساتھ ادھوری بات کو نقل کر کے کچھ اور ہی مفہوم ہدیہ قارئین کیا ہے، مضمون نگار نے لکھا:

«سنابلی صاحب لکھتے ہیں:

عام طور پر فقہا اس نوعیت کے اقوال سے حجت پکڑتے ہیں۔"(چار دن قربانی کی مشروعیت، ص: 33) کیا فقہا و مجتہدین کا باسند ضعیف یا بے سند اقوال سے حجت پکڑنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اقوال ثابت ہیں؟»

سوال یہ ہے کہ یہاں ثابت ہونے کی بات کس نے کہی ہے ؟؟؟

«عام طور پر فقہا اس نوعیت کے اقوال سے حجت پکڑتے ہیں » ، یہ جملہ کتاب میں مکمل اس طرح ہے:

عام طور پر فقہا اس نوعیت کے اقوال سے حجت پکڑتے ہیں، اس لئے ہم ایسے اقوال کی فہرست پیش کرتے ہیں (چار دن قربانی کی مشروعیت، ص: 33)

یعنی حجت پکڑنے کی بات ان اقوال کو ثابت بتلانے کی غرض سے نہیں کہی گئی تھی بلکہ بطور الزام ان اقوال کو پیش کرنے کی غرض سے کہی گئی تھا، پوری بات کا مطلب یہ ہے کہ فقہاء اس طرح کے اقوال سے حجت پکڑتے ہیں اس لئے بطور الزام ان اقوال کو پیش کیا جارہا ہے۔

مرفوع حدیث کو بالجزم بیان کرنا اور امتی کے قول کو بالجزم بیان کرنا:

چاردن قربانی کی مشروعت (ص33) سے نقل کئے گئے فقہاء کے حجت والے مذکورہ الفاظ سے کافی پہلے یہ جملہ تھا «متعدد اہل علم نے ان صحابہ کی طرف بالجزم چار دن قربانی کا قول منسوب کیا ہے » دیکھئے: چاردن قربانی کی مشروعت (ص33)

مضمون نگارنے اوپر سے اس جملے کو لیکر بیچ کے جملے حذف کرکے نیچے لے جاکر فقہاء کے حجت والے الفاظ سے ملا دیا، پھر اس الزامی بات کو اثبات کے پیرائے میں ڈھال دیا۔ اس کے بعد بالجزم والے الفاظ کو پکڑ کر یہ گل افشانی کی کہ بالجزم ذکر کرنے کو ثبوت کی دلیل مان لیا گیا ہے، حالانکہ یہ بات محض امکان کی اور الزامی حوالے کی ہے نہ کہ اثبات و تصحیح کی، جیسا کہ تفصیلا ضاحت گذر چکی ہے۔

لیکن مضمون نگارنے نہ صرف یہ کہ اس امکانی اور الزامی بات (اس کی تفصیل گذر چکی ہے) کو اثبات و تصحیح باور کرایا بلکہ نا سمجھی یا مغالطہ بازی کی حد کرتے ہوئے مرفوع احادیث تک اسے پہنچا دیا اور پھر بڑی بے حیائی سے اسے لے جاکر ظفر احمد تھانوی کے اس اصول سے ملا جلا دیا کہ کسی عالم کا کسی حدیث پر عمل کرلینا یا اس کے مطابق فتوی دے دینا اس کی طرف سے اس حدیث کی تصحیح ہے۔ یاللعجب!

پھر آگے چل مضمون نگارنے سوال کیا:

« ہمارا سوال ہے کہ جب کسی مجتہد یا عالم کا کسی حدیث نبوی کے موافق فتوی یا اسے بالجزم منسوب کرنا اس کی صحت کی دلیل نہیں بن سکتا تو کسی صحابی کے قول کو اپنے موقف میں پیش کرنا یا اسے بالجزم منسوب کرنا کیسے اس کے ثبوت کی دلیل بن سکتا ہے ؟ »

راقم عرض کرتا ہے کہ ثبوت کی دلیل کس نے کہا؟

بات صرف امکان اور الزام کی ہے جس کی تفصیل گذر چکی ہے۔ اور یہ وضاحت بھی ہو چکی ہے مرفوع حدیث یعنی دین سے متعلق اس امکان کی کوئی گنجائش ہی نہیں کیونکہ دین کی کسی بات کے ثبوت کا مفقود ہو جانا ممکن ہے کیونکہ دین کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ نے لے رکھی ہے۔

منسوخ ومرجوع عنہ کہنے اور ضعیف کہنے میں فرق:

یزید بن معاویہ والی کتاب میں ایک مقام پر تاریخ کے معاملے میں متعدد سند سے آنے والی ایک بات کو اس کے برخلاف بے سند بات کے مقابل میں قوی کہا لکھا گیا ہے جس کا حوالہ دیتے ہوئے مضمون نگار نے کہا کہ باسند بات کو اس کے برخلاف بے سند بات پر ترجیح ہونی چاہئے۔ مضمون نگار نے لکھا:

« یہاں تو وہ ضعیف روایات کو بے سند روایت سے قوی قرار دے رہے ہیں، لیکن خود ایامِ قربانی والے مسئلہ میں صحابہ کرام کے صحیح وثابت آثار کو بے سند یا سخت ضعیف آثار سے قوی ماننے کے لیے تیار نہیں ہو رہے »

حالانکہ استاذ محترم نے ابن عمر رضی اللہ عنہ کے علاوہ سارے آثار کو ضعیف ومردود ثابت کیا ہے، اس لئے یہ کہنا کہ « صحابہ کرام کے صحیح وثابت آثار کو بے سند یا سخت ضعیف آثار سے قوی ماننے کے لیے تیار نہیں » سراسر غلط بیانی ہے۔

رہا ابن عمر رضی اللہ کا تین دن والا ثابت اثر تو استاذ محترم نے اسے سندا صحیح ہی تسلیم کیا ہے ضعیف ہرگز نہیں کہا ہے، اور نہ کسی ضعیف قول کو سندا اس سے قوی قرار دیا ہے۔

البتہ چونکہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے یہ ثابت شدہ قول صریح نص کے خلاف تھا، اور دوسری طرف ابن عمر رضی اللہ عنہ ہی کی طرف موافق نص بھی ایک قول منسوب تھا تو استاذ محترم نے حسن ظن کی بنیاد پر یہ کہا ہے کہ ممکن ہے ابن عمر رضی اللہ عنہ نے مخالف نص قول سے رجوع کر لیا ہے۔

اور یہ بات گذر چکی ہے کہ اہل علم ایسے مواقع پر کسی صحابی کا دوسرا قول سرے سے منقول ہی نہ ہو تو بھی حسن ظن کی بنیاد پر رجوع کی بات کہہ دیا کرتے ہیں تو پھر یہاں تو دوسرا قول موجود بھی ہے پھر یہ کہنے میں کیا مضائقہ ہے کہ ممکن ہے ابن عمر رضی اللہ عنہ نے مخالف نص والے قول سے رجوع کر لیا ہو۔

مضمون نگار نے غالبا یہ سمجھ لیا ہے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت پہلے قول کو ان کی طرف منسوب دوسرے قول کے سبب رد کیا گیا ہے، جب معاملہ یہ ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے ثابت قول کو نص کے خلاف ہونے کے سبب رد کیا ہے گیا ہے، اور جب اس قول کو رد کر دیا گیا تو اس کے ثبوت پر کوئی سوال نہیں اٹھایا گیا ہے، یعنی اسے سندا ضعیف نہیں کہا گیا ہے بلکہ سندا اسے ثابت مانتے

ہوئے ان کی طرف منسوب دوسرے قول کے سبب صرف اس حسن ظن کی بات کہی گئی ہے کہ ممکن ہے ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے اس قول سے رجوع کر لیا ہو۔

اور لفظ « رجوع » کا استعمال ہی اس بات پر بین دلیل ہے کہ پہلے قول کو سنداً ثابت ہی مانا جارہا ہے ورنہ اگر پہلا قول ثابت ہی نا ہو تا تو رجوع کا کوئی محل ہی نہیں۔

مضمون نگار اس قدر فہم سقیم کے مالک ہیں کہ وہ کسی بات کو منسوخ و مرجوع عنہ بتلانے کو اس بات کی تضعیف سمجھ لیتے ہیں۔

کیا چار دن قربانی والے آثار سب کے سب بے سند ہیں:

مضمون نگار نے لکھا:

« سنابلی صاحب کے مذکورہ اصول کی رُو سے تو ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ صحابہ کرام سے تین دن قربانی والا موقف اگر صحابہ کرام سے باسند صحیح ثابت نہ بھی ہوتا، سب سندیں ضعیف ہی ہوتیں، تو بھی اسے چار دن قربانی والی بے سند و بے اصل روایات کے خلاف پیش کیا جاسکتا تھا، چہ جائیکہ تین دن والا موقف ہی صحابہ کرام سے ثابت ہے، چار دن والا قطعا ثابت نہیں! »

اول تو مضمون نگار نے مرجوع عنہ کہنے کو تضعیف سمجھ لیا جس کی وضاحت ہو چکی ہے۔

دوسرے ایک سانس میں چار دن قربانی والے سارے آثار کے بے سند و بے اصل کہہ ڈالا جب کہ چار دن والے اکثر آثار بھی باسند ہی ہیں کیونکہ ائمہ نے ابن ابي شيبہ ، ابن المنذر ، عبد بن حميد اور ابن ابي حاتم وغیرہ کے حوالے سے نقل کیا ہے اور یہ سند والی کتابیں ہیں، اس لئے یہ تو کہا جاسکتا ہے کہ ان اقوال کی سندوں والی کتب مفقود ہیں یا کتب کا وہ حصہ مفقود ہے، لیکن یہ دعوی غلط ہے کہ یہ اقوال بالکل بے سند و بے اصل ہیں۔

مضمون نگار صاحب کی یہ تحریر پڑھ کر راقم اسی نتیجہ پر پہنچا ہے کہ آں حضرت یا تو ایک نمبر کے مغالطہ باز ہیں اور تقلیدی روش میں فریق مخالف کے ساتھ ہر طرح کی ناانصافی اور اتہام طرازی کو روا سمجھتے ہیں، یا پھر تعلیم وتربیت اتنی سطحی اور ذہن اتنا کند ہے کہ ایک شخص کی بات کیا ہے؟ بات کی دلیل کیا ہے؟ وجہ استدلال کیا ہے؟ مقصود کلام کیا ہے؟ ان میں سے کچھ بھی سمجھنے کی استطاعت سے محروم ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں کہا گیا ہے:

وكم من عائب قولا صحيحا .. وآفته من الفهم السقيم

کتنے ہی لوگ ایسے ہیں جو صحیح بات میں بھی عیب نکال دیتے ہیں، یہ مصیبت ان کی سمجھ میں بیماری کے سبب آتی ہے۔